تربیتی کہانیاں

حصّہ اوّل

مائل خیرآبادی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

تربیتی کہانیاں

بچّے چاہے چھوٹے ہوں یا بڑے۔ کہانیاں بڑے شوق سے سنتے ہیں۔ بڑے بچّے جو پڑھ سکتے ہیں وہ اپنا شوق کتابوں میں چھپی کہانیاں پڑھ کر پورا کر لیتے ہیں۔ لیکن جو بچّے بہت چھوٹے ہوتے ہیں پڑھنا لکھنا نہیں جانتے وہ بڑوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بڑے بھائی کی خوشامد کرتے ہیں۔ بڑے بھائی کے دوست کی خوشامد کرتے ہیں۔ باجی کی اور باجی کی سہیلیوں کی خوشامد کرتے ہیں اور ان سے کہانیاں سنتے ہیں۔

دوسروں سے جو کہانیاں سنتے ہیں ان کہانیوں کا اثر ان کے ننھے منّے دلوں اور دماغوں پر ہوتا ہے۔ اگر وہ بھوت، چڑیل کی کہانی سنتے ہیں تو ایک طرف ان کا ایمان کمزور ہوتا ہے اور دوسری طرف وہ ڈرپوک ہو جاتے ہیں۔

چھوٹے بچّوں کو بھوتوں، چڑیلوں کی کہانیاں اور وہ کہانیاں جن میں حقیقت نہیں ہوتی، ہرگز نہیں سنانا چاہیئے۔ ان کہانیوں کے بدلے اچھے لوگوں کے قصّے سنانا چاہیئے۔ ایسی کہانیاں سنانا چاہیئے جن سے ان کا ایمان مضبوط ہو، دل مضبوط ہو، ان میں اچھا بننے کا شوق پیدا ہو۔ یہ کہانیاں سناتے وقت سمجھاتے جانا بھی ضروری ہے۔ سمجھانے سے اچھی کہانی ایک تربیتی کہانی بن جائے گی۔

تربیتی کہانیاں سنانے کا طریقہ ہم اس کتاب میں بتاتے ہیں۔ ہمارا مشورہ ہے کہ مائیں پہلے ان کہانیوں کو پڑھیں۔ اس کے بعد جس طرح باتیں کی جاتی ہیں۔ اس طرح چھوٹے بچوں کو سنائیں تو ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ یہ کہانیاں سنا کر ہم نے تجربہ کیا ہے۔ چھوٹے بچے بھی سوال کی ہمّت کرتے ہیں۔ اور کہانی کا مفہوم ان کے ذہنوں میں اچھی طرح بیٹھ جاتا ہے۔ آپ بھی تجربہ کر کے دیکھیں۔ خدا آپ کی مدد کرے۔

(مائل خیرآبادی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وہ دیکھ رہے ہیں

اچھا بھئی، آؤ گلوّ، آؤ گڈّو! ٹنیّ تم بھی آؤ۔ سدّو کو بھی بلاؤ۔ بیٹھو دیکھو ٹھیک سے بیٹھو، ذرا الگ الگ۔ ارے، تمہارا گھٹنا تو اس کے گھٹنے پر ہے۔ ہاں۔ یوں۔ شاباش!"

اچھا سنو، ایک اچھے بچّے کی کہانی جس طرح میں تم کو کہانی سناتی ہوں نا! اسی طرح ایک ماں تھی، وہ بھی اپنے بچے کو کہانی سنایا کرتی تھی۔ بچّہ بڑے شوق سے سنتا۔ بڑا اچھا بچّہ تھا۔ وہ یاد بھی کر لیتا تھا۔

"میں بھی یاد کر لوں گی۔" گلوّ بولی۔ "میں بی یاد کر لوں گی۔" گڈّو بولی۔

"میں بی یاد کر لوں گا۔" ٹنیّ بولا۔ "یں بھی ــــ!" سدّو بولا۔

شاباش شاباش! تم سب بڑے اچھے بچّے ہو۔ اچھا تو سنو۔

ایک ماں تھی۔ بڑی اچھی ماں۔

"مگر اس کا میاں چور تھا۔"

"چور! اوئی اللہ! تو پھِل اللہ میاں اس کا ہات کات لیں گے۔ ہے نا امیّ!" گڈّو چونک کر بولی۔

"مگر پھر وہ اچھا آدمی بن گیا تھا۔"

"چوری چھول دی اُن نے؟" گلوّ نے پوچھا۔

"ہاں بھئی! پھر اس نے چوری بالکل چھوڑ دی۔"

"وہ کیسے؟" ٹنیّ نے پوچھا۔

سنو، اس طرح۔ اس کا میاں روز چوری کرنے جاتا تھا۔ اس کا بچّہ دس

برس کا ہوا۔ تو ایک دن چور نے اس کو ساتھ لیا۔"

"اسے ساتھ کیوں لیا؟ سدّو نے پوچھا۔

"اس نے سوچا اپنے بچّے کو بھی چوری سکھائے۔"

"بُری بات بُری بات!" گلّو بولی۔

"ذرا چپ رہو بیٹی! یہ مزے دار کہانی سنو، چور بیٹے کو لئے ہوئے ایک باغ کے پاس پہنچا۔ وہ آموں کا باغ تھا۔ پیڑوں میں کچّے پکّے آم لگے تھے۔ ہرے ہرے پیلے پیلے۔ سمجھے!

"آہا، پیلے پیلے میٹھے میٹھے!" گڈّو سر مٹکا کر بولی۔

"اچھا بھئی سنو، چور نے دیکھا کہ باغ کے اندر تو کوئی ہے نہیں۔ اس نے بیٹے کو باغ کے کنارے کھڑا کر دیا اور خود باغ میں گھسا۔ تم سمجھے! اس نے بیٹے کو وہاں کیوں کھڑا کر دیا؟"

"وہ دیکھے کیسے چوری کی جاتی ہے۔" سدّو نے کہا۔

"اوں ہوں! اُس نے یوں کھڑا کیا کہ کوئی دیکھ رہا ہو تو پکار کر بتا دے گا۔"

"اور پھر وہ باغ سے بھاگ آئے۔" ٹنّی بولا۔

ہاں، اسی لئے اس نے بیٹے کو یہی بات سمجھا دی۔ پھر ایک پیڑ پر چڑھا۔ ابھی وہ چڑھا ہی تھا۔ آم توڑے نہیں تھے کہ بیٹا پکارا!

ابّا جان ابّا جان! وہ دیکھ رہے ہیں۔"

یہ سننا تھا کہ چور پیڑ سے کودا۔ بھاگ کر بیٹے کے پاس آیا۔ اِدھر اُدھر دیکھا۔ اسے کوئی دیکھنے والا دکھائی نہ دیا۔ بیٹے سے پوچھا "کون دیکھ رہا تھا؟"

"اللہ میاں،" بیٹے نے جواب دیا۔ "امیّ جان کہا کرتی ہیں کہ اللہ میاں سے کچھ بھی، کچھ بھی تو چھپا نہیں۔ وہ تو سب کے دل کی باتیں بھی جانتے ہیں۔ کوئی کہیں، کہیں بھی اندھیری رات میں چوری کرے، وہ کبھی دیکھ لیتے ہیں اور چور سے تو بہت خفا ہوتے ہیں۔ چور کا ہاتھ کاٹ لیا جاتا ہے۔ یہ امیّ جان بتاتی ہیں۔

چور باپ نے بیٹے سے یہ سنا تو وہ ہکاّ بکاّ کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔ ہکاّ بکاّ تم سمجھے۔ بالکل چُپ سادھے ہوئے۔ سچّی بات یہ ہے کہ اس وقت اسے بڑی شرم آئی۔ وہ اتنا شرمایا بچوّ کہ کچھ نہ پوچھو۔ وہ بہت ہی شرما گیا۔ پھر اس نے بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ اور اسی وقت توبہ کر لی کہ اب کبھی وہ چوری نہ کریگا۔"

واہ واہ خوب خوب، یہ تو بڑی اچھّی بات ہوئی۔ چھوٹے لڑکے نے چھلوا دی چولی۔

اس طرح سب بچےّ کہنے لگے۔ ماں نے پھر سمجھایا۔ اچھا تم سب بھی سب کو اللہ سے ڈرایا کرو تو سب نیک بن جائیں گے۔

"ٹھیک کہا آپ نے۔ ہم سب بھی اللہ سے ڈرایا کریں گے اور یہ کہانی بھی سب کو سنائیں گے۔ بڑی اچھی ہے یہ کہانی!"

"شاباش! بچوّ شاباش!!
اللہ تم سب سے خوش ہو!"

اللہ کی حکمت

گُلّو بیٹی آؤ۔ گڈّو کو بھی بلالاؤ اور دیکھو ٹنّی کہاں ہے۔ اسے بھی آواز دو۔ آج کہانی بڑی مزے دار ہے۔ بہت ہی مزے دار۔

آ گئے تم سب۔ اچھّا تو ٹھیک سے بیٹھو۔ ذرا الگ الگ۔ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھنے کا طریقہ بھی بتایا ہے۔ اس طرح بیٹھو کہ دوسرے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ ہاں! شاباش اچھّا لو۔ اب کہانی سنو۔

"ایک بدّھو میاں تھے"

"امّی یہ بدّھو میاں کون؟" سدّو نے سنتے ہی ٹوکا۔

ارے بھئی، بدّھو اس لڑکے کو کہتے ہیں جو کم سمجھ ہوتا ہے۔"

"جس کو سمجھاؤ تو سمجھتا ہی نہیں" ٹنّی نے پوچھا۔

"ہاں! ایسا ہی! اچھا تو ایسا ہی ایک لڑکا تھا۔ گرمیوں کے دن تھے ایک بار بدّھو میاں سیر کو چلے۔ ٹہلتے ٹہلتے بستی سے باہر نکل گئے۔ ایک کھیت دیکھا تربوزوں کا۔ ہری ہری بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں بڑے بڑے اِتّے بڑے بڑے بڑے تربوز لگے تھے"

"ہی ہی، اتّے تے ے ے.... گلّو نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور خوش ہو گئی۔

"ہاں بیٹی! بہت ہی بڑے بڑے۔ وہ کیا اس دن شاہجہانپور سے تمہارے ابّو میاں لائے تھے۔ کتنا بڑا تھا وہ تربوز! تم سے تو اُٹھتا بھی نہ تھا۔

"وہ تو بھئی، بڑا بہت ہی بڑا تھا" سدّو نے کہا۔

"اچھا تو ایسے ہی بڑے بڑے تربوز بیلوں میں لگے تھے"

"اے امّی چھنو تو، آپ نے ہمالی اوڑنی میں بیل لگائی تھی نا! اش میں تل بوز نئیں!" گڈّو نے اپنی اوڑھنی دکھا کر بڑے بھولے پن سے پوچھا تو سب ہنسنے لگے۔ سب کو بڑا مزہ آیا۔ امّی نے سمجھایا۔

"بیٹی! ہاں بیل اسے بھی کہتے ہیں جو دوپٹوں اور جمپروں میں لگائی جاتی ہے۔ یہ تو کاڑھی جاتی ہے۔ اور بیل وہ بھی ہوتی ہے جو اللہ میاں زمین سے اگاتے ہیں جیسے تم نے لوکی کی بیل دیکھی ہے۔ کتّی دور تک پھیلتی چلی جاتی ہے"

"اے ہاں وہ نیم پل"

"ہاں اب تم سمجھ گئیں۔ اسی طرح تربوز کی بیل ہوتی ہے۔ تربوز کے بیج کھیتوں میں بوئے جاتے ہیں۔ اللہ میاں ان بیجوں سے بیلیں پیدا کرتے ہیں۔ پھر یہ بیلیں سارے کھیتوں میں پھیل جاتی ہیں۔ پھر اللہ میاں ہی ان بیلوں میں تربوز پیدا کرتے ہیں۔ یہ تربوز ہم تم سب کھاتے ہیں۔

"بلے اچھے ہیں اللہ میاں! گلّو بولی۔

"اچھا تو سنو بڑی مزے دار کہانی ہے۔ بیچ میں زیادہ بولا نہ کرو۔ بدّھو میاں نے ان بیلوں میں بڑے بڑے تربوز دیکھے تو کھڑے ہو گئے اور کچھ سوچنے لگے۔ کچھ دیر سوچتے رہے۔ پھر آگے بڑھے۔ آگے آموں کا باغ تھا۔ بدّھو میاں آموں کے باغ میں چلے گئے۔ آموں کے پیڑوں میں چھوٹی چھوٹی کیریاں لگی ہوئی تھیں۔

"امّی آم کے باغ میں کیاریاں نہیں ہوتیں۔ سدّو نے ٹوکا۔
"کیاریاں نہیں بیٹے! کیریاں۔ جب آم کے پیڑوں میں پھل آتے ہیں۔ تو چھوٹے چھوٹے پھلوں کو کیریاں کہتے ہیں۔"
"اور سنئے تو وہ جو صفّو ہے نا! پڑوس میں وہ تو "انبیہ" کہتی ہے۔
"ہاں، یہ بھی نام ہے۔ تو بھئی، بدھو میاں نے آموں کے بڑے بڑے پیڑوں میں انبیہ اور کیریاں دیکھیں تو کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ کچھ سوچنے لگے پھر بولے "واہ بھئی واہ! اللہ میاں بھی خوب ہیں، نہ کسی سے رائے لیتے ہیں نہ مشورہ، جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ بھلا بتاؤ تو، تربوز کی بیلوں میں اتنے اتنے بڑے من من بھر کے پھل اور ان بڑے بڑے پیڑوں میں اتّے اتّے منّے منّے سے پھل!
بدّھو میاں یہ کہہ رہے تھے اور کیریوں کو دیکھ رہے تھے۔ اتنے میں ایک کیری ٹوٹ کر ان کی ناک پر گری۔ بدّھو میاں ہنسنے لگے۔ ہنس کر بولے "واہ وا، سبحان اللہ! اللہ میاں کی سمجھ بہت ہے۔ کوئی ان کی سمجھ کو پا نہیں سکتا اللہ میاں نے اچھا کیا کہ آم کے پیڑوں میں تربوز کے برابر پھل نہیں بنائے نہیں تو تربوز کے برابر پھل میری ناک پر گرتا تو ناک تو ناک سارا چہرا بھرتا ہو جاتا۔
"ہاہا بہت عمدہ امّی۔ خوب ہے یہ کہانی۔ بدّھو میاں اب سمجھے۔" سب بچّے خوش ہو کر کہنے لگے۔ امّی نے سمجھایا کہ اللہ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ بڑی حکمت والا ہے۔ ہے نا بچّو!"
"ہاں امّی! بڑی حکمت والا ہے اللہ!"

آگ سے بھاگ

آج محمودہ باجی آئیں تو سب بچّے ان کے سر ہو گئے۔

"باجی! آج آپ کہانی سنائیے۔ آپ کہانی سنائیے۔" اور باجی کہہ رہی تھیں "نہیں بھئی، امّی جان بڑی اچھی کہانیاں کہتی ہیں اور ان کا طریقہ بھی ایسا ہی ہے کہ کہانی ہم سب کے دل میں بیٹھ جاتی ہے۔"

"دل میں کیسے بیٹھ جاتی ہے۔" ٹنّی پوچھ بیٹھا۔ "بیٹھا تو کرسی اور چارپائی پر جاتا ہے۔"

"باجی نے دل میں بیٹھ جانے کے معنی بتائے۔ یعنی کہانی اچھی طرح یاد ہو جاتی ہے۔ پھر بھولتی نہیں۔

باجی نے بہت پیچھا چھڑایا لیکن ان کی ایک بھی نہ چلی۔ بچّوں کے بار بار کہنے پر کہانی کہنے کو راضی ہو گئیں۔ انھوں نے کہا آج میں اپنی ایک اُستانی کی آپ بیتی سناؤں گی۔ یہ آپ بیتی استانی صاحبہ نے کلاس کی ساری بچّیوں کو خود سنائی تھی۔

"یہ آپ بیتی کیا ہوتی ہے؟" سدّو میاں نے پوچھا۔

"آپ بیتی کے معنی ہیں جو اپنے اوپر بیتی ہو۔" باجی نے جواب دیا اور ساتھ ہی اس طرح کہنے لگیں۔

"بات یہ ہوئی کہ اس سال جو ہماری استانی آپا نئی نئی آئی ہیں ان کی ایک بغل کی کھال جلی ہوئی ہے۔"

[illegible]

اسی وقت جلال نے چھچھوندر جلا کر "فُر سے جو پھینکی تو وہ آکر میری بغل میں لگی۔ مجھے ایسا لگا جیسے آگ کا گولا آکر لگا۔ میں چیخ کر گر پڑی۔ لڑکے ڈر کر بھاگ گئے۔ میں تڑپنے لگی اور پھر بے ہوش ہو گئی۔

جب مجھے ہوش آیا تو میں اسپتال میں تھی۔ میری بغل اور کندھے کے اوپر پھائے لگے ہوئے تھے۔ پنکھا جھلا جا رہا تھا۔ امّی جان نے بتایا کہ بیٹی! تم دوسرے دن ہوش میں آئیں۔ نہ جانے کتنے انجکشن لگے۔ کیسی کیسی دوائیں منگانی پڑیں۔ امّی کہتی تھیں کہ رات بھر میں سو روپے اٹھ گئے اور کوئی نہ سو سکا۔ سب اللہ میاں سے میری زندگی کی دعائیں کر رہی تھیں۔ اللہ اللہ کر کے ایک مہینہ میں ٹھیک ہوئی۔ تم سب سمجھے اصل بات کیا تھی؟" باجی نے آپ بیتی سناتے سناتے سوال کر دیا اور پھر خود ہی بتایا کہ جب جلتی ہوئی چھچھوندر بغل میں لگی تو نائلون کا کپڑا آگ پاکر جلا اور بغل میں چپک کر رہ گیا۔ بس اسی کی جلن، ایسا لگ رہا تھا کہ سارے بدن میں آگ لگی ہے۔

"پھر تو اُستانی آپا نے آتش بازی سے توبہ کر لی"

"پھر وہ دن اور آج کا دن ہے، اُستانی آپا نہ تو گھر سے باہر کھیلنے گئیں اور نہ انھوں نے آتش بازی کی چیزیں چھوئیں۔

"مے لی توبہ! میں بی نہ چھوؤں گی۔" گڈّو نے لمبی سانس لے کر کہا اور سب بچّے آتش بازی کے نام سے توبہ توبہ کرنے لگے۔

وہ بچّے بڑے اچھے ہوتے ہیں جو آتش بازی کے پاس نہیں جاتے جیسے تم سب ہو۔ شاباش! (بس آپ بیتی ختم)

وہ کہانی

ہماری امی بھی خوب ہیں۔ اُن کا جی کہانی سنانے کو نہیں چاہتا تو پھر ایسی حکمت کرتی ہیں کہ باتوں باتوں میں ہم سب سے ہی کوئی پرانی کہانی کہلا لیتی ہیں۔ کل ایسا ہی ہوا۔ مغرب کے بعد عائشہ باجی آگئی تھیں۔ ہماری عائشہ باجی بی۔اے میں پڑھتی ہیں۔

اچھا تو ہم نے امی جان سے کہانی کہنے کو کہا تو بولیں "کہاں تک کہانیاں سناؤں۔ اب مجھے کوئی کہانی نہیں آتی"

"اچھا تو پرانی کہانی ہی سنائیے" سدّو نے چمک کر کہا۔

"پرانی کہانی کون سی؟"

"وہ، وہ، امی جان وہ؟" ٹنّی آنکھیں مٹکا کر کہنے لگا۔

"وہ کہانی، جس میں ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ!

وہ!''

''ایسی تو کہانیاں نہ جانے کتنی ہیں؟''

''اے امیّ وہ بادشاہ تھا نا! اس کی لڑکی تھی نا! لڑکی کو دیو اٹھا لے گیا تھا، وہ!

''اچھا تو پھر کیا ہوا تھا؟''

''پھل پھل۔'' اب گُلّو پھکی، پھل پھل دیکھئے تو امیّ دان،اوہ ایک لڑکا تھا۔ اس نے دیو کو مال ڈالا۔ اول لل کی لے آیا۔''

''ہش یہ کہانی نہیں۔'' عائشہ باجی نے ڈانٹ دیا۔''

''کیوں ڈانٹتی ہو بچوّں کو کیسی اچھی ہے اس کی یاد۔'' امیّ نے کہا۔

''اجی نہیں، کہانی جھوٹی ہے۔ ایسی کہانی ہونی چاہیئے جس میں کوئی مرد یا لڑکا پھنسا ہوا ہو اور کوئی لڑکی ان کو چھڑانے جائے۔''

عائشہ باجی نے دل کی بات کہہ دی۔ امی جان مسکرانے لگیں عائشہ باجی نے پوچھا! آپ کیوں مسکرائیں؟ بتایا! اس لئے کہ شاید تم مرد پر عورت کو فوقیت دینا چاہتی ہو۔''

ہم میں سے کوئی بھی یہ بات نہ سمجھا۔ وہ جو شوکت بڑا لقمان بنتا ہے، میں نے اس سے پوچھا۔'' فوقیت کے معنی کیا ہیں۔''

وہ بھی نہ بتا سکا۔ ادھر ہم سب سوچ میں تھے۔ ادھر عائشہ باجی نے کہا'' وہ کہانی کیوں نہیں کہتے جس میں ہے ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمہارا خدا بادشاہ۔ بادشاہ کے دو بیٹے تھے اور ایک بیٹی۔ پھر بادشاہ

بیمار پڑا... !

"اچھا ـــــ وہ ـــــ مجھ کو کہانی یاد آگئی۔ باجی! وہ کہانی! میں سمجھ گیا۔

"کون سی؟" امّی جان نے پوچھا۔

"وہ سی، کہ پھر حکیم نے بتایا کہ جیون پھل کھایئے تو اچھے ہوں گے۔"

"اچھا۔ مجھے بھی یاد آگیا۔ صفو نے تالی بجائی۔

"تجھے کیا یاد آگئی۔ اچھا بتا!" سدّو نے جھڑکا۔

"ارے وہی تو کہ پھر حکیم سے جیون پھل کا اتا پتہ پوچھا تو بڑا شہزادہ لینے چلا لیکن وہ بہت دنوں تک نہیں آیا۔"

"ہاں امّی! میں بھی سمجھ گئی۔" زہرا بولی۔ "تو پھر دوسرا شہزادہ گیا۔ وہ بھی کسی بلا میں پھنس گیا۔ پھر شہزادی گئی۔ وہ سب کو چھڑا لائی۔"

"بس بس ٹھیک ہے۔" عائشہ باجی کہنے لگیں" ہاں یہی کہانی سناؤ۔"

"شہزادی کیسے چھڑا کر لائی؟" امّی جان نے پوچھا۔

"میں بتاؤں۔" اب سعید میاں بولے۔

"ہاں تم ہی سناؤ۔" امّی نے ان کی طرف دیکھا۔

"دیکھئے امّی جان! پھر شہزادی چلی۔ اس نے اپنے سر کے بال سمیٹے۔ پھر بڑی سی ٹوپی میں بالوں کو چھپا لیا۔ پھر بھڑک دار صافہ باندھا۔ اجلا اجلا پاجامہ پہنا۔ شیروانی پہنی۔ جوتا پہنا۔ تیر اور کمان

اور تلوار سے لیس ہوئی۔"

"اے وا۔ لل کا بن گئی۔" اب گڈّو نے کہا۔

"آگے کیا ہوا؟" امّی نے پھر پوچھا۔ سعید میاں ہی کہنے لگے ۔

"پھر یہ ہوا کہ۔

"اے سعید میاں، سنو تو۔۔۔۔ اصفّو نے کہا" اور اس نے بہت سارے ہیرے اور اشرفیاں جواہرات بھی لیئے تھے ۔

"ہاں۔ہاں۔ یہ سب بھی لیا۔"

"یہ اشرفیاں کیا ہوتی ہیں۔" گلّو پوچھ بیٹھی اور سعید جھنجھلا گیا۔

"اچھا تو کہانی سناؤں یا ماسٹر بن کر پڑھاؤں۔"

"دیکھو بیٹی! میں سمجھاؤں۔" امّی نے بتایا کہ" آج کل جو وہ بیس پیسے والا سکّہ ہے نا! اتنا ہی بڑا سونے کا سکّہ ہوتا تھا۔ اسی کو اشرفی کہتے تھے۔ اچھا سعید میاں پھر کیا ہوا؟"

"پھر یہ ہوا کہ شہزادی ایک شہر میں پہنچی۔ وہاں اس نے خوب خیرات کی۔ لوگوں نے اسے دیکھا تو پوچھنے لگے۔ کیا تم ان دو لڑکوں کے چھوٹے بھائی ہو جو ایک بار یہاں آئے تھے؟"

"اے وا، کیسے پہ چانا،" گلّو تعجب کے ساتھ بولی۔

"شکل ملتی تھی نا یوں۔"

"اچھا تو شہزادی نے پوچھا، وہ دونوں کدھر گئے۔ میں ان کا بھائی

ہوں اور ان کو ڈھونڈھنے نکلا ہوں۔"

شہر والوں نے بتا دیا۔ کہ وہ ادھر گئے ہیں۔ شہزادی نے گھوڑا اسی طرف موڑ دیا۔ چلتے چلتے، چلتے چلتے "ارے بھئی چلتے چلتے۔

"ہش، یہ کیا بازاری پن شروع کر دیا۔" عائشہ باجی نے "ارے بھئی" سن کر ٹوکا اور سدّو سے کہا۔ "آگے تو کہہ" سدّو چہکنے لگا۔

"چلتے چلتے، چلتے چلتے شہزادی ایک پہاڑ کے پاس پہنچی۔"

"اوئی اللہ پہال!" گڈو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"جی ہاں، پہاڑ۔

شہزادی پہاڑ کے پاس پہنچی تو وہاں ایک بزرگ کو دیکھا وہ بزرگ آدمی نماز پڑھ رہے تھے۔ شہزادی ان کے پاس گئی۔ وہ نماز پڑھ چکے تو شہزادی نے ان کو سلام کیا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا۔ "وعلیکم السلام" اور حال پوچھا شہزادی نے اپنے بھائیوں کے گم ہونے کا حال کہا اور کہا کہ آپ دعا فرمائیں۔

ان بزرگ نے بتایا کہ تمہارے بھائی یہاں آئے تھے۔ جیون پھل کا حال پوچھ رہے تھے۔ میں نے ان کو رستہ بتایا لیکن وہ میری بتائی ہوئی باتوں پر نہ چل سکے۔

"وہ باتیں مجھے بتایئے۔" شہزادی نے پوچھا۔ بزرگ نے بتایا کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف ایک باغ ہے۔ اسی باغ میں جیون پھل ہے۔ رستے میں بڑی بڑی رکاوٹیں ہیں۔"

"وہ رکاوٹیں کیا ہیں؟"

"بیٹی تم نے وہ نظم پڑھی ہے جس میں ہے کہ:۔

راہ میں کچھ شیطان ملیں گے ان کا دامن تھام نہ لینا
دے گی تجھ کو راہ پہاڑی کھینچے جا تو اپنی گاڑی
اے میرے جاں باز کھلاڑی

تو بیٹی! یہ شیطان طرح طرح سے بہکائیں گے، ان کی طرف دھیان نہ دینا۔ ان کی طرف نہ دیکھنا۔ ان کی باتوں کا جواب نہ دینا۔ ورنہ راستہ بھول جاؤگی۔ اور پھر کہیں سے کہیں پہنچ جاؤگی۔ پھر ساری عمر بھٹکتی رہوگی۔ تمہارے بھائی شیطانوں کے بہکائے میں آگئے۔

"بابا میرے لئے دعا کیجئے۔"

"اچھا جا بیٹی! لاحول پڑھتی جانا۔ اللہ کو یاد کرنا۔ خدا حافظ۔"

بابا سے دعائیں لے کر شہزادی آگے بڑھی۔ پہاڑ کے پار پہنچی۔ سامنے باغ تھا۔ وہ باغ میں گھسی۔ جیسے ہی باغ میں پہونچی دائیں بائیں سے گانے بجانے کی آوازیں آنے لگیں۔ "آؤ آؤ! یہ دیکھو دولت کے ڈھیر! یہ دیکھو ہیرے جواہرات، یہ دیکھو طرح طرح کے عیش و عشرت کے سامان!

شہزادی کا جی چاہا کہ وہ رک جائے اور ذرا آرام کر لے لیکن اس کی زبان پر لاحول اور اللہ اللہ تھا۔ اس کے دل نے کہا۔ خبردار! اگر لالچ میں آئی تو راستہ بھٹک جائے گی۔ شہزادی چونک پڑی۔ اللہ کا نام لیتی آگے بڑھی۔

آگے بڑھی تو پھر آوازیں آنے لگیں "آؤ! آؤ! ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیں۔ یہ دیکھو سونے چاندی کا تخت جواہرات سے جڑا ہوا۔ ٹھاٹھ سے حکومت کرو۔ شہزادی نے ادھر بھی دھیان نہ دیا۔

آگے بڑھی تو چاروں طرف سے ڈراؤنی آوازیں آنے لگیں "خبردار! قدم آگے نہ بڑھانا ورنہ قتل کر دوں گا۔ مار ڈالوں گا' ہاتھ پیر توڑ ڈالے جائیں گے۔ خبردار! جیون پھل کی طرف نہ جانا۔"

اب شہزادی گھبرانے لگی۔ اس کو جان کا ڈر پیدا ہوا۔ مگر وہ لاحول پڑھتی اور اللہ اللہ رٹتی ہی رہی۔ سامنے جیون پھل کا پیڑ تھا۔ اس نے بڑھ کر جیون پھل توڑ لیا۔

جیسے ہی اس نے جیون پھل توڑا۔ شیطانوں کی آوازیں آنا بند ہو گئیں۔ اب شاباش شاباش کی آوازیں آنے لگیں۔ اس نے دیکھا کہ چاروں طرف سے بہت سے نوجوان چلے آ رہے ہیں۔ ان میں شہزادی کے دونوں بھائی بھی تھے۔ وہ اپنے بھائیوں سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ شہزادی سب

کو لے کر ان بزرگ کے پاس آئی۔ بزرگ بابا سے پوچھا کہ بابا یہ کیا بھید تھا ذرا بتائیے۔ بات سمجھ میں نہیں آئی۔" بابا نے بتایا۔ "بیٹیا! تم جانو، یہ باغ ہماری دنیا ہے اور جیون پھل ہمارا دین ہے۔ دین کی طرف بڑھنے سے شیطان روکتے ہیں۔ لالچ دیتے ہیں۔ ڈراتے ہیں۔ جو لالچ میں پھنس جاتا ہے یا ڈر کر ان کی طرف دیکھتا ہے اس کو بہکا دیتے ہیں لیکن جو شہزادی کی طرح دین کی طرف بڑھتا جاتا ہے اس کا شیطان کچھ نہیں بگاڑتا۔ وہی کامیاب ہوتا ہے۔ اور دوسروں کو بھی راہ پر لاتا ہے۔ اب تم جاؤ۔ جیون پھل اپنے باپ کو کھلاؤ۔ دراصل وہ بھی شیطان کے پھندے میں پھنس گیا ہے۔ جیون پھل کھا کر یعنی دین پر چل کر اس کا دکھ درد بھی دور ہو جائے گا۔"

سب نے بابا کو سلام کیا اور اپنے رستے پر لگے شہزادی بھائیوں کو لے کر بادشاہ کے پاس آئی۔ بادشاہ نے جیون پھل کھایا۔ اس کی بیماری دور ہو گئی۔ وہ بہت خوش ہوا۔ بس کہانی ختم۔

ایثار

امیّ جان کہانی سنانے کے لئے تیار بیٹھی تھیں۔ بس شوکت میاں کا رستہ دیکھ رہی تھیں کہ وہ آئیں تو کہانی کہنے لگیں اور شوکت میاں تھے کہ اپنے کمرے میں بیٹھے معنی یاد کر رہے تھے۔

ایثار معنی قربانی۔ ایثار معنی قربانی۔

آخر ہم سب سے نہ رہا گیا۔ سب سے پہلے سدّو میاں نے کہا "امیّ جان شوکت بھائی آئیں چاہے نہ آئیں۔ آپ کہانی سنایئے" پھر بدّو نے کہا اس کے بعد صفورفو اور پھر گلّو بی اور گڈّو بی نے بھی اکتا کر کہا۔

"اے امیّ دان، آپ کیئےّ بی کیانی۔"

امیّ جان نے شوکت کو پکارا۔

"آیا۔ امیّ جان۔ اور یہ کہہ کر وہ آگئے۔ امیّ جان نے پوچھا۔

"کیا یاد کر رہے تھے؟"

"معنی یاد کر رہا تھا۔"

"کس لفظ کے معنی؟"

"ایثار کے معنی۔"

"تو سمجھ گئے ایثار کسے کہتے ہیں؟"

"جی ہاں، ایثار کے معنی قربانی!"

"کیا مطلب؟"

"مطلب وطلب تو میں جانتا نہیں۔ ماسٹر صاحب نے یہی معنی لکھا دیئے، وہی میں نے رٹ لیئے۔"

"لفظ کے بدلے لفظ رٹ لینے سے معنی سمجھ میں نہیں آتے لو میں سمجھاتی ہوں۔"

امّی جان سے یہ سنا تو ہم سب نے کہا "امّی جان! شوکت میاں کو پھر پڑھایئے گا۔ ہمیں تو کہانی سنایئے نہیں تو ہم جا کر سوتے ہیں" یہ کہہ کر صفّو باجی اٹھنے کو تھیں کہ امّی جان نے کہا۔ کہانی کہہ کر ہی تو سمجھاؤنگی۔ بڑے مزے کی کہانی ہے اور پھر سچّی کہانی۔"

"سچّی کہانی!" ہم سب چُپ ہو کر بیٹھ گئے اور امّی جان کا منہ تکنے لگے۔ امّی جان نے اس طرح کہانی شروع کی:۔

"ہمارے بزرگوں میں ایک بزرگ تھے۔ حضرت واقدیؒ۔ واقدیؒ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کو ہزاروں حدیثیں یاد تھیں۔ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کو بہت محبّت تھی۔ اسی لئے وہ پیارے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتوں پر عمل کرتے تھے۔

"عمل؟ عمل کے کیا معنی ہیں امّی جان! شوکت میاں نے پوچھا۔

"عمل کے معنی ہیں اچھّی باتیں کرنا۔ جیسے حضورؐ نے کوئی کام کرنے کو کہا ویسے ہی کرنا۔
اچھا تو واقدیؒ حدیثوں پر عمل کرتے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ پیارے نبیؐ دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچا دیا کرتے تھے چاہے اپنے آپ گھاٹے میں رہیں۔"
"ارے وا! بڑے اچھے تھے پیارے نبیؐ۔ صفّو باجی نے کہا اور ہم سب جھومنے لگے۔
"اسی کو ایثار کہتے ہیں۔ اپنے فائدے کو چھوڑ کر دوسروں کو فائدہ پہونچانا"
"لیکن سنئے تو امّی جان! یہ کہانی کب ہوئی؟ آپ نے تو کہانی سنانے کو کہا تھا۔" سعید میاں اور رفّو میاں نے ایک ساتھ کہا۔
"اچھا تو ایک دن ایسا ہوا۔ عید آنے والی تھی۔ حضرت واقدیؒ بڑے فیّاض تھے۔"
"فیاض معنے؟" شوکت میاں نے پوچھا۔
"اونھ، ان کو تو آج معنی یاد کرنے کی دھن ہے۔" ہم سب جھنجھلا گئے۔
فیاض کے معنی اللہ کی راہ میں خوب ہی خیرات کرنے والے۔ دوسروں کو بڑی بڑی رقم دینے والے واقدیؒ ایسے ہی تھے۔ وہ جو کچھ کماتے سب ضرورت والے لوگوں کو دے دیتے۔ گھر میں بس

یوں ہی پیسہ لاتے۔

اچھا تو عید قریب آئی۔ گھر میں تو کچھ رہتا نہ تھا۔ بیوی نے کہا۔

"سنتے ہو۔ عید آرہی ہے۔"

"ہاں ہاں! مجھے معلوم ہے۔"

"معلوم کیا ہے، بچّوں کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔ وہ سب رو رہے ہیں۔" اور یہ کہہ کر بیوی نے ذرا سختی سے کہا کہ ان کے لئے نئے کپڑے بنادو، نہیں تو عید کے دن سب خوشی منا رہے ہوں گے اور ہمارے گھر رونا پڑا ہوگا۔"

یہ سن کر واقدیؒ کو بھی خیال آیا مگر جیب میں ننھّا پیسہ بھی نہ تھا سوچنے لگے کہ کیا کریں۔

سوچتے سوچتے یاد آیا۔ ان کا ایک دوست سوداگر ہے۔ بڑا مالدار بس دل میں کہا "چلو اس سے کچھ رقم لے آئیں۔

یہ سوچ کر چلے۔ سوداگر کے گھر پہنچے۔ اس سے ملے۔ سلام علیک کے بعد بیٹھے۔ سوداگر نے حال پوچھا۔ واقدیؒ نے سارا حال کہا۔

اس وقت سوداگر کے سامنے پیسوں سے بھری تھیلی رکھی تھی اسی وقت دکان سے آئی تھی۔ اس نے کہا۔

"بھائی یہ تھیلی لے جاؤ۔"

حضرت واقدیؒ تھیلی لے کر چلے۔ اب دیکھو کہانی میں مزہ آئیگا گھر آئے۔ بیوی کو تھیلی دی۔ اتنے میں ان کا ایک دوست ہاشمی آگیا۔ وہ

بہت پریشان تھا۔ اس نے بتایا کہ اس وقت رقم کی سخت ضرورت ہے۔ گھر کی دیوار گر گئی ہے۔ بڑی بے پردگی ہو رہی ہے۔

یہ سنا تو واقدیؒ نے بیوی سے کہا "تھیلی میں سے آدھی رقم رکھ لو آدھی ہاشمی صاحب کو دے دو۔"

اب دیکھو مزے کی بات۔ بیوی تھی بڑی نیک۔ اس نے کہا "آپ عالم ہیں۔ آپ کا دوست سوداگر عالم نہیں مگر اس نے پوری تھیلی دے دی اور آپ یہ ایثار نہیں کر سکتے!" تو کیا کروں؟

"پوری تھیلی ہاشمی صاحب کو دید یجیئے۔ اللہ مالک ہے۔"

واقدیؒ نے تھیلی ویسی کی ویسی ہاشمی صاحب کو دے دی اور پھر ویسے کے ویسے رہ گئے۔

"کیا کہانی ختم ہو گئی؟" صفّو نے کہا۔

"یہ کہانی تو کچھ زیادہ مزے دار نہیں۔ رفّو نے کہا۔

"کوئی اور کہانی سنائیے" سعید میاں بولے۔

"ابھی تو کہانی باقی ہے۔ سنو تو۔ مزہ تو اب آئے گا۔"

امّی نے کہا اچھّا بھئی۔ ہاشمی صاحب تھیلی لے کر چلے۔ کچھ ہی دور چلے تھے کہ راستے میں وہی سوداگر ملا جس سے واقدیؒ تھیلی لائے تھے۔ یہ سوداگر ہاشمی صاحب کا بھی دوست تھا۔ راستے میں سلام علیک ہوئی۔ ایک نے دوسرے کا حال پوچھا۔ سوداگر نے بتایا۔ میرا مال آیا پڑا ہے، اسے لینے جانا ہے۔ لیکن رقم کی سخت ضرورت ہے۔ بہت

پریشان ہوں۔ اگر آج مال نہ اُٹھایا تو دوسرے کے ہاتھ بک جائے گا۔"

"اچھا یہ بات ہے؟" ہاشمی صاحب نے کہا اور وہ تھیلی سوداگر کو دے دی!"

"واہ واہ وا" ہم سب کہنے لگے۔ یہ خوب رہی۔ تھیلی ویسی کی ویسی پھر سوداگر کے پاس پہنچ گئی۔"

"اور دیکھئے تو سب نے ایثار کیا۔" شوکت میاں بولے۔

"پھر کیا ہوا امّی جان!"

"ابھی کہانی اور باقی ہے۔ آگے سنو گے تو بڑا مزہ آئے گا۔ پھر یہ ہوا کہ واقدیؒ بغداد میں رہتے تھے۔ بغداد کے بادشاہ کا ایک وزیر تھا۔ وزیر واقدیؒ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ وہ بھی بڑا فیاض تھا۔ اس نے یہ مزیدار واقعہ سنا۔"

"واقعہ؟ واقعہ کے معنی۔" شوکت میاں نے پوچھا۔ ہم سب پھر جھنجھلا گئے؟ انھیں تو کہانی سننا ہی نہیں ہے۔ بس معنی یاد کرنا ہیں۔

"واقعہ کے معنی جو بات ہوئی ہو۔ سچّی سچّی!" امّی جان نے سمجھایا۔ اس کے بعد آگے سنانے لگیں۔

وزیر نے واقدیؒ کو بلایا۔ عزّت سے بٹھایا۔ حال پوچھا۔ واقدیؒ نے الحمدللہ کہا۔ یعنی اللہ کا شکر ادا کیا۔

وزیر نے کہا ”میں نے آج آپ کے ایثار کا قصّہ سنا ہے۔

” وہ تو ٹھیک ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔“

” وزیر صاحب نے یہ سنا تو ایک ایک ہزار کی دس تھیلیاں دیں اور کہا کہ دو ہزار تو آپ تینوں دوست لے لیں۔ باقی رہے چار ہزار، یہ چار ہزار اسے دیں جس نے سب سے زیادہ ایثار کیا ہو۔

واقدیؒ سوچنے لگے کہ کس نے سب سے زیادہ ایثار کیا۔“ ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تو وزیر سے کہا ” بھئی، ہم سب نے برابر کا ایثار کیا۔“ وزیر نے کہا ” وہ ایک چوتھا شخص ہے۔“

” چوتھا شخص کون ؟ واقدیؒ نے پوچھا۔

” وہ ہیں آپ کی بیوی۔ انھوں نے سب سے زیادہ ایثار کیا۔ ایک ماں کو بچّوں سے جو محبّت ہوتی ہے۔ وہ آپ جانتے ہیں انھوں نے بچّوں کی پروا نہیں کی۔ یہ چار ہزار ان کو جا کر دیجیے۔

واقدیؒ صاحب خوش خوش گھر آئے۔ سب کو حصّہ دیا۔ اور پھر خوشی سے عید منائی۔

کہانی ختم۔ ہم سب ایثار کے معنی اچھی طرح سمجھ گئے۔